کچھ ماضی کے دریچوں سے۔۔

میں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں اردو زبان بولنا ایک عام سی بات تھی۔ اگرچہ مادری زبان پنجابی تھی لیکن گھر میں اور آس پاس زیادہ تر اردو ہی بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اردو زبان سے اگر میری محبت اور گہرے تعلق کی بات کی جائے تو اس کی سب سے بڑی وجہ میرے خاندان والے بالخصوص میری والدہ ہیں (اللہ تعالی انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین) الحمد للہ بچپن سے ہی ادبی قسم کا ماحول پایا۔ دادا ابو (حافظ عبد الرزاق صاحب) کالج میں اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ متعدد کتابوں کی تصنیف کی اور اپنی خود نوشت 'آئینہ ایام' بھی لکھی۔ تایا ابو (حافظ عبد الشکور صاحب) بھی درس و تدریس سے وابستہ ہونے کے ساتھ ساتھ اصلاحی کتب کے مصنف ہیں۔ امی نے بھی اپنی خود نوشت (بچپن سے پچپن تک) تحریر کی۔

اگر ماضی کو ٹٹولوں تو مجھے ابھی بھی یاد ہے کہ بچپن میں مجھے بڑا زعم تھا کہ اردو کا کوئی بھی ایسا لفظ نہیں جو مجھے لکھنا نہ آتا ہو۔ اگرچہ اس خیال پر بڑے ہونے کے بعد کافی زد بھی پڑی۔ ہمارے شہر کے قریب ایک علاقہ تھا جسے 'سرولی' کہا جاتا تھا۔ ایک دفعہ امی ابو تفریح کے لئے سب کو وہاں لے گئے۔ واپسی پر سب کو کہا گیا کہ اس سفر پر مضمون لکھیں اور پھر وہ تمام مضامین دادا ابو کو دیئے گئے کہ وہ سب سے اچھے مضمون کا فیصلہ کریں۔ (فیصلہ یقینا میرے حق میں تو نہیں تھا کیوں کہ میں اس وقت غالباً پہلی جماعت میں تھی) مگر اپنی یاداشت کا یہ پہلا مضمون تھا۔

پہلی جماعت کا ہی واقعہ ہے کہ ایک دفعہ اردو کے پرچے میں الفاظ کے جملے بنانے کو آئے۔ اس زمانے میں اشعار والے جملے بہت زبردست سمجھے جاتے تھے۔ میں نے تمام الفاظ کے جملے شعروں کی صورت میں ہی لکھے۔ لفظ ہوا کا جملہ ابھی بھی یاد ہے

ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم

جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی

اتنے سارے اشعار یاد ہونے کی وجہ یہ تھی کہ میری بڑی بہن اور تایازاد بہن کے اسکول میں ضلعی سطح پر بیت بازی کا مقابلہ تھا۔ امی ان دونوں کو تیاری کروایا کرتی تھیں تو ہم سب کو بھی کافی سارے شعر ازبر ہو گئے بلکہ ان دونوں کی تیاری کے سلسلے میں ہم روز گھر میں بیت بازی کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔

اردو سے تعلق

امی مختلف رسائل کے اجراء کا خوب اہتمام کرتیں۔ نونہال، آنکھ مچولی، تعلیم و تربیت، پھول، نور سب سے استفادہ کرتے۔ جو نظم یا تحریر پسند آتی اس کو اپنی ڈائری میں بھی تحریر کیا کرتے۔ بلکہ کچھ نظموں پر تو باقاعدہ ٹیبلو کیا کرتے اور امی اور تائی اماں کو مہمان خصوصی بنا کر باقاعدہ پروگرام کیا کرتے۔ وہ لوگ بھی ہماری کاوشوں کو خوب سراہتے۔ کسی بڑی کامیابی پر عموماً کتاب ہی تحفتاً دی جاتی۔ مجھے ابھی بھی یاد ہے کہ بڑی بہن کے میٹرک کے نتیجے کی خوشی میں امی ابو نے انہیں کلیات اقبال تحفے میں دی۔ میں اس وقت غالباً تیسری جماعت میں تھی۔ تحفہ کھولتے ہی جس جوش

اور خوشی کا اظہار ہوا، اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ تو بہت ہی قیمتی چیز ہے۔ اسی طرح شکوہ، جواب شکوہ کو میں نے خود ہی سمجھ رکھا تھا کہ شاید ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی مکالمہ ہے۔ ایک دفعہ بڑوں کی بات چیت سے پتہ چلا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور انسان کے بیچ ہے! بس پھر کیا تھا، فوراً سے پڑھنا شروع کیا اور سمجھ سے بالا اشعار کے لئے بڑوں سے رہنمائی لی۔ سچکوال کا ایک بہت مشہور دینی مدرسہ ہے۔ وہاں اجتماعات پر اکثر امی جایا کرتیں اور کبھی کبھار ہمیں بھی لے جاتیں۔ اس اجتماع کے اختتام پر ہال کے چاروں کونوں سے باری باری ایک لڑکی کھڑی ہوتی اور اقبال کا کوئی نہ کوئی شعر پڑھتی۔ اب چونکہ وہ مدرسے کی طالبات تھیں اس لئے وہ شعر بھی تجوید اور مخارج سے پڑھا کرتیں اور ہم گھر آکر خوب ان کی نقل میں شعر پڑھا کرتے۔ ایک شعر تھا

ان یکن عشرون پر ایماں ہے مستحکم مرا

کثرت تعداد کو خاطر میں کب لاتا ہوں میں

ااس وقت تو کبھی اس پر غور نہیں کیا تھا مگر دوران حفظ جب سورت الانفال پر پہنچی تو (ان یکن عشرون)، کے الفاظ پڑھتے ہی ذہن میں جھماکا سا ہوا اور اسی انداز سے پورا شعر یاد آیا اور تب شعر بھی پوری گہرائی سے سمجھ آیا۔

بچپن کی ایک اور سرگرمی اردو خوشخطی ہوا کرتی تھی عموماً گرمیوں کی چھٹیوں میں ہم داداابو کے پاس خوش خطی کی مشق کیا کرتے تھے۔ تختی پر لکھائی اور کٹے ہوئے مارکر کا استعمال بھی تب ہی سیکھا۔

زبان کی آبیاری

ڈائری لکھنے کے سبھی شوقین تھے۔ ایک دفعہ میری نظر اپنی بہن کی ڈائری کے پہلے صفحے پر پڑی جہاں انہوں نے اپنے نام اور جماعت کے بعد لکھا تھا 'ڈائری متفرقات' اگرچہ اس کا مطلب تو مجھے اس وقت پلے نہ پڑا مگر 'متفرقات' کا لفظ مجھے بہت بھایا۔ تب سے میں اپنی ڈائری کے آغاز میں 'ڈائری متفرقات' ضرور لکھا کرتی۔ اب سوچتی ہوں تو اپنی کم عقلی پر خوب ہنسی آتی ہے۔ ڈائری میں اکثر ہم اپنے گھر والوں اور عزیز و اقارب کے انٹرویو بھی لیا کرتے۔ ایک دفعہ میری خالہ مرحومہ کا انٹرویو لیا گیا جس میں پوچھا گیا تھا

'آپ کی عمر؟' تو جواباً لکھا

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی

اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے

ااسی طرح پسندیدہ سواری کے جواب میں لکھا

بساطِ دہر پہ بکھرے سبھی مہرے

شاعرانہ ذوق سب بڑوں میں ہی خوب پایا۔ ایک دفعہ خالہ زاد بہن کے کالج میں مشاعرہ تھا جس کا طرح مصرع تھا

جانے کس منزل کی جانب آج کل جاتے ہیں لوگ

باقی تو یاد نہیں بس اتنا یاد ہے کہ میری بڑی بہن نے یہ غزل مکمل کی تھی جس کا آخری شعر کچھ یوں تھا

آبلہ پائی نے میری کی یہ مجھ سے التجاءئ

اب نہ چل لوگوں کی خاطر، پھر بدل جاتے ہیں لوگ

حال ہی میں میری بھانجی، جو شاید اس وقت آٹھ، نو سال کی تھی، نے اپنے بھائی کی طبیعت کی خرابی پر ایک نظم کہی۔ باقی تو ذہن سے محو ہو گئی البتہ ایک شعر کچھ یوں تھا

بیماری کو تم کہو نہ برا۔۔

کرتی ہے تمہیں یہ گناہوں سے کھرا۔۔!

حالانکہ دیکھا جائے تو موجودہ دور ہمارے بچپن کے ماحول سے کافی مختلف ہے مگر عام اردو بول چال اور ماحول کا خیال رکھا جائے تو آج کی نسل بھی کسی سے کم نہیں۔۔!

اردو محاورات وغیرہ کا استعمال ہمیں اس زبان سے مزید مانوس کرتا گیا۔ کبھی کسی کام کا مکمل ہونا بعید نظر آتا تو امی اکثر کہا کرتیں 'ہنوز دلی دور است!'۔ حساب کتاب میں امی خوب کھری تھیں، کسی کی بقایا رقم واپس کرنی ہوتی تو تمام ریزگاری سمیت واپس کرتیں۔ اگر کوئی اصرار کر کے ریزگاری لوٹاتا تو دوبارہ یہ کہہ کر دیتیں کہ 'حساب جو جو، بخشش سو سو'۔ گھر میں میں سب سے چھوٹی تھی، اگر کبھی کوئی بحث و تکرار ہوتی اور میری دلیل امی کو بھاتی تو ہنس کر کہتیں،

یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی

دل کو لگتی ہے بات بکری کی

اسی طرح تائی اماں مرحومہ نے کبھی مہینے کے دنوں کا حساب لگانا ہوتا تو اکثر یہ پڑھا کرتیں۔

۳۰ دن ستمبر کے

اپریل، جون، نومبر کے

اور یہ بھی بتایا کرتیں کہ یہ ایک نظم کا شعر ہے جو وہ ان کے بچپن کے نصاب میں شامل تھی۔ میں بھی دنوں کا اندازہ اسی شعر کے حساب سے کرتی ہوں۔

حال کی جھلکیاں

یوں تو بچپن کی بہتیری یاداشتیں ہیں جن میں سے چند ایک ہی قلمبند کیں اب کچھ جھلکیاں حال کی ملاحظہ کریں:

۴۲ سال کی عمر میں اللہ تعالی نے مجھے حفظ قرآن کی نعمت سے نوازا الحمدللہ۔ الفاظ کے معانی اور مطالب کی سمجھ بوجھ کے ساتھ اپنا قرآن پاک مکمل کیا اور اس ساری سمجھ کے لئے بلاشبہ اردو سے مانوسیت میرے بہت کام آئی۔ ترجمے کی بنیاد پر یاد کرنا ایک ایسا پرلطف تجربہ تھا کہ الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ الحمدللہ اپنے بچوں کو بھی قرآن پاک خود ہی پڑھایا اور اسی انداز سے معانی وغیرہ کے ساتھ جیسے میں نے خود پڑھا۔ الحمدللہ میرے بچوں کے لئے بھی زیادہ تر قرآن پاک کا وقت تجسس سے بھرپور اور انتہائی دلچسپ ہوا کرتا تھا۔ اللہ تعالی ہم سب کو قرآن پاک سے جوڑے رکھیں اور اس کا فہم اور تدبر عطا کریں آمین۔

ایک اور اہم بات جو اس سلسلے میں ہوئی وہ یہ تھی کہ ہمارا تبادلہ خضدار ہوا جہاں چند ہی خاندان رہائش پذیر تھے۔ تب میری سب سے بڑی بیٹی ۲ سال کی تھی۔ لوگ کافی کم تھے اس لئے روز ہی ملنا جلنا ہوتا۔ انہیں میل ملاقاتوں میں ایک دن کتب بینی پر بات چیت شروع ہوئی تو میں نے شہاب نامہ کا ذکر کیا۔ جواباً زیادہ تر کا کہنا تھا کہ 'ہمارا دل تو بہت چاہتا ہے شہاب نامہ پڑھنے کو، بہت تعریف سنی ہے پر جب بھی کوشش کی اس کی اردو سمجھ ہی نہیں آتی بہت مشکل ہے' وہ شاید پہلا موقع تھا کہ مجھے شدت سے احساس ہوا کہ اگر میرے بچے اچھی اردو نہ سیکھ پائے تو یہ کس قدر عظیم علمی و ادبی ورثے سے محروم ہو جائیں گے اور بس تب ہی سے فیصلہ کر لیا کہ اپنے بچوں کو اچھی اردو ضرور سکھاؤں گی باذن اللہ۔ تعلیمی اداروں نے تو اس ضمن میں خاصا مایوس کیا، اب ہوم اسکولنگ شروع کی ہے تو اپنے من پسند طریقے آزما کر بہت مزہ آنے لگا ہے۔

مستقبل کے عزائم

اردو کی اہمیت

زبان کسی بھی قوم کی شناخت اور اس کی پہچان ہوتی ہے۔ چونکہ اردو ہماری قومی زبان ہے اور ہماری روایات اور اقدار کی امین بھی، اس لئے اردو سے ہماری دوری دراصل ہماری اپنی شناخت کھونے کے مترادف ہے۔ جس تیزی سے اردو زبان زوال کا شکار ہے، یہ ایک انتہائی پریشان کن بات ہے۔ چونکہ اردو ہمارے ملک کے تقریباً ہر خطے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے اس لئے اکثریت اس زبان سے قدرتی طور پر مانوس ہے۔ جب آس پاس کے ماحول میں ایک زبان بولی اور سمجھی جا رہی ہو اور تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز ہوتے ہی زبان تبدیل کر دی جائے تو بچے کی تخلیقی صلاحیتیں بری طرح متاثر ہوتی ہیں۔

زبان کی اہمیت ماہر لسانیات کی نظر میں

ماہر لسانیات کے مطابق بچے کے ماحول میں بولی جانے والی زبانیں اس کی ابتدائی نشوونما میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ کیونکہ فطری طور طریقے پر بچہ یہ زبان سیکھ رہا ہوتا ہے اس لئے وہ کسی قسم کی بھی دقت کے بغیر اپنی بات کو بیان کرنا سیکھ لیتا ہے جبکہ کسی دوسری زبان میں اتنی ہی گہرائی اور سمجھ کے ساتھ بچہ اپنی بات بیان نہیں کر سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کے تعلیمی نظام کو دیکھیں تو ۶۰، ۷۰ کے دہائیوں تک انگریزی زبان کا باقاعدہ تعارف چھٹی جماعت سے شروع ہوتا تھا، اس سے پہلے تمام مضامین اردو میں ہی سکھائے اور پڑھائے جاتے تھے۔ اگر ہم اس نظام تعلیم

سے فارغ التحصیل حضرات کی علمی مہارتیں دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ جتنا یہ لوگ اپنی زبان سے قریب تھے اتنا ہی اپنی اقدار پہچانتے تھے۔ غیر زبانوں میں بھی اپنی بات اتنی ہی گہرائی سے بیان کرتے جتنا کہ اردو میں۔ قدرت اللہ شہاب کا یونائیٹڈ نیشنز کے اجلاس میں اسرائیلیوں کا اصلی چہرہ بے نقاب کرنا ہو یا اشفاق احمد کے 'زاویے'، ابن انشاء کی مزاح اور حساسیت سے بھرپور تحریریں ہوں یا یوسفی کی زرگزشت، ہر کوئی اعلیٰ پائے کا تھا۔

رسم الخط

اردو زبان کے ساتھ جو ایک اور مسئلہ درپیش ہے وہ رسم الخط کا ہے۔ رومن اسکرپٹ کے استعمال کی وجہ سے اب اردو کا رسم الخط تیزی سے معدوم ہوتا جا رہا ہے۔ کسی بھی زبان کا رسم الخط بھی اتنا ہی اہم ہے جتنی کہ زبان خود۔ اور اردو کا رسم الخط تو ہمارے لئے اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ عربی رسم الخط جیسا ہے جس وجہ سے اردو پر مہارت عربی کا فہم بھی آسان بنا دیتی ہے۔ سوشل میڈیا ہو، اشتہارات کے بورڈ ہوں یا کوئی چھوٹی موٹی دکانیں اب ہر جگہ رومن رسم الخط ہی نظر آتا ہے۔ اس سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ عوام کو اس زیاں کا شعور ہی نہیں۔ بقول اقبال

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس ضمن میں ترکی کی عبرت ناک مثال ہمارے سامنے ہے۔ ان کی نئی نسلیں رسم الخط بدل جانے کی وجہ سے اپنے اسلاف کی سب تعلیمات سے ہاتھ دھو بیٹھی ہیں۔ وہ ان تمام قیمتی علوم سے نابلد ہو چکے ہیں جو ان کے آباؤاجداد ان کے لئے مرتب کر گئے تھے۔ اس مثال سے سبق لیتے ہوئے ہمیں رسم الخط کی طرف خصوصی توجہ دینے اور دلانے کی ضرورت ہے۔ پہلے پہل مجھے بھی اردو ٹائپنگ تھوڑی مشکل لگتی تھی کیوں کہ انگریزی حروف روانی سے لکھنے کی عادت تھی۔ لیکن آہستہ آہستہ عادت بنائی تو الحمدللہ اب کافی روانی آ گئی ہے۔ موبائلز میں تو اردو کی بورڈ موجود ہوتا ہے ،البتہ لیپ ٹاپ پر کام کے لئے گوگل کا ملٹی لینگوئیل کی بورڈ (جی بورڈ) یا ایسی قسم کا کوئی اور استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اردو کے بحران کی وجوہات

اردو کے زوال کے اسباب دیکھے جائیں تو اس کی ایک بڑی وجہ ہمارے نظام تعلیم میں تبدیلیاں ہیں۔ تعلیمی سفر کا آغاز ہوتے ہی انگریزی متعارف کروا دینا۔ پھر طلباء کو زبردستی انگریزی بولنے پر مجبور کرنا اور یہ احساس دلانا کہ اردو میں بات کرنا نالائقی کی علامت ہے۔ اس تاثر کو خوب ہوا دی گئی کہ کامیابی کا راز اچھی انگریزی بولنے میں مضمر ہے۔ رفتہ رفتہ تمام مضامین کی انگریزی زبان میں منتقلی نے اردو زبان کو مزید دیس نکالا کر دیا۔ تعلیمی اداروں میں اس نام نہاد ترقی کے خواہشمند والدین نے گھروں میں بھی انگریزی زبان کے فروغ پر کام شروع کیا۔ تمام اصول وضوابط کو ایک طرف کر کے جیسے تیسے انگریزی مسلط کرنے کی کاوشیں کی گئیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کوا چلا ہنس کی چال، اپنی بھی بھول گیا کے مصداق موجودہ نسل اردو سے تو بے بہرہ ہو ہی گئی، انگریزی کے معیار کو بھی نہیں پہنچ پائی۔ انگریزی اور اردو کے اختلاط سے وہ ملغوبہ بنا ہے کہ ایک مکمل اردو کا جملہ بولنا بھی محال ہے۔

اردو کیسے؟

آج کل یہ بات زبان زدعام ہے کہ اردو ایک بہت مشکل زبان ہے۔ یہ کیسے بچوں کو سکھائی جائے؟ تو قارئین! اپنے حالات وواقعات کی روشنی میں، میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ زبان سیکھنا کچھ مشکل نہیں اگر آپ خود وہی زبان بولتے ہوں اور لکھائی پڑھائی جیسے معاملات میں اپنی زبان کو ترجیح دیتے ہوں۔ مائیں اپنا محاسبہ خود کریں کہ کیا ان کا اردو سے تعلق قائم ہے؟ اردو سے تعلق آپ کو اپنی اقدار وروایات سے جوڑے گا۔ اگر اس بات کا خیال نہ کیا گیا تو ہم اپنی ایک قیمتی متاع کھو بیٹھیں گے۔ پھر ہمارا مستقبل اغیار کے ہاتھوں میں ہی ہوگا، جدھر چاہیں گے رخ موڑ دیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے

ان اللہ لایغیر مابقوم حتی یغیر ماباانفسھم

ترجمہ: (اللہ تعالی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتے جب تک کہ وہ خود نہ بدلے)

تو یہ زبان جس خوبصورتی سے ہم تک پہنچی، اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اپنی اگلی نسل کو بھی پوری دیانت داری کے ساتھ یہ ورثہ منتقل کریں۔ آپ کی اپنی زبان سے محبت آپ کے بچے کو خود بخود اس سے جوڑے گی۔ یہ تو قانون فطرت ہے کہ بچہ خود بخود اپنے اردگرد کی زبان بولتا ہے۔ مائیں خود اردو بولیں، اردو لکھیں تو گھر میں بھی اردو کا ماحول بن جائے گا۔ ترجیحی بنیادوں پر اردو زبان کو فروغ دینے کا فکر کیا جائے۔ بقول شاعر

اپنی مٹی پہ ہی چلنے کا سلیقہ سیکھو

سنگ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

کچھ مزید مشورے اس ضمن میں پیش خدمت ہیں:

۱۔ چھوٹے بچوں (۳ سے ۴ سال تک) کو قصے کہانیاں اور نظمیں سنانا بہت فائدہ مند ہوتا ہے۔ انبیاء، صحابہ اور دیگر اسلاف کی سچی کہانیاں سنانا دین سے محبت بھی سکھاتا ہے اور اخلاقی اقدار بھی۔

۲۔ بچے کو اردو سے متعارف کروانے کے لئے جس طرح سے انگریزی میں sight words یعنی بصری الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح اردو کے مستعمل الفاظ جیسے 'ہم، میں، یہ، وہ، ہیں، ہے' وغیرہ کے فلیش کارڈز بنا کر گھر میں کسی مناسب جگہ لگائے جاسکتے ہیں۔

۳۔ بچوں کو خود کہانی پڑھ کر سنانا، چاہے جتنی بھی عمر کے ہوں، والدین کا بچوں سے تعلق مضبوط کرتا ہے۔ میری بڑی بیٹی جو ماشاء اللہ گیارہ برس کی ہے اور روانی سے اردو پڑھ لیتی ہے، اس کو بھی میں اکثر مختلف اقتباسات اور شاعری وغیرہ سناتی رہتی ہوں اور بچے بھی بعض اوقات فرمائش کرتے ہیں کہ ہمیں فلاں کتاب سے کچھ سنائیں۔

۴۔جب بچہ خود پڑھنا شروع کرے تو اسے آسان اور دلچسپ کتابیں دی جائیں۔اس سلسلے میں آخر میں دی گئی فہرست ملاحظہ کریں۔

۵۔بچے کی پہنچ میں ایک چھوٹی سی لائبریری کا موجود ہونا سود مند رہتا ہے۔میں نے اپنے ۵ سالہ بیٹے کے لئے ایک ڈبے میں کچھ پسند کی کتابیں رکھی ہوتی ہیں۔پھر وقتاً فوقتاً اس کی پسند کے لحاظ سے تبدیلی کرتی رہتی ہوں۔

۶۔بچے بڑوں کی پیروی کرتے ہیں۔خود بھی ڈائری لکھیں،بچے بھی آپ کو دیکھ کر عادت بنالیں گے۔لکھائی کی عادت ڈلوانے کے لئے میں کبھی کبھار بچوں سے اپنے روزمرہ کاموں کی فہرست مرتب کرواتی ہوں۔اسی طرح گھریلو اشیاء کی خریداری کی فہرست بنوانا بھی مفید رہتا ہے۔

۷۔بچے کی پسند کے موضوع پر اس سے بات کرنا اور پھر اس کے متعلق چند جملے لکھوانا یا پھر جو کتاب پڑھی ہو اس پر بچے کے تاثرات قلمبند کروانا بھی ایک اچھی مشق ہے۔

۸۔بیت بازی،قصہ گوئی یا بزم ادب جیسا کوئی پروگرام رکھنا بچوں کو پر اعتماد بناتا ہے۔یہ ہمارے بچپن کی ایک ریت تھی جسے ہم اب بھی قائم رکھے ہوئے ہیں۔الحمدللہ

۹۔اقبال یا دوسرے شعراء کا کلام خود بھی پڑھتے رہنا اور بچوں کو سنوانا۔موقع کی مناسبت سے اشعار کا استعمال بچوں کے فہم کو جلا بخشتا ہے۔

۱۰۔کسی تفریحی دورے سے واپسی پر بچوں کے تاثرات قلمبند کروانا ایک خوبصورت یادداشت کے علاوہ بچوں کے زاویۂ نظر کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

۱۱۔بچوں کے ماہانہ رسالوں کا اجراء احساس ملکیت بھی دیتا ہے اور معلومات میں اضافے کا بھی سبب بنتا ہے۔

امید کرتی ہوں کہ تمام قارئین کو میری ان چند تجاویز سے فائدہ ہو گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں زوال نعمت سے بچائیں اور اس زبان کو زندہ رکھنے میں ہماری مدد فرمائیں۔بقول اقبال

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشت ویراں سے

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی